تحریر :- مولانا محمد عبید اللہ خانصاحب عفیف

برخوردار محمد خان نجیب شہید رحمۃ اللہ الحمید

دستور تو یہ ہے کہ قابل اور صاحب قلم شاگرد اپنے اساتذہ کے سیر و سوانح قلمبند کیا کرتے ہیں۔ جو کچھ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا ہے، یا اپنے اساتذہ کے ثقہ معاصرین سے سُنا اور پڑھا ہوتا ہے۔ اسکو احاطہ تحریر میں لاکر اپنے اساتذہ کے علمی کانہ کو آگے بڑھایا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ اسی عنوان پر بات چل نکلی تھی، میں نے کہا کہ حضرت محدث گوندلوی رحمہ اللہ کے مسودات ضائع ہو رہے ہیں۔ ابھی تک جماعت نے ان علمی شاہ پاروں اور انکے تحقیقی رشحات قلم کو منظر عام پر لانے کا کوئی بندوبست نہیں کیا۔ تو محمد خان نجیب جھٹ بول اٹھا "استاذ جی تسیں اللہ دا ناں لے کر لکھی جاؤ میں انشاء اللہ تعالیٰ تہاڈے مجموعہ فتاویٰ سمیت تمام قلمی مسودات نوں ضائع نہیں ہون دیاں گا"! میں نے جزاکم اللہ الخیر دعا دیتے ہوئے کہ آپ کے والدین ماجدین کیطرح مجھے آپ سے ایسی بہت سی توقعات ہیں۔ لیکن یہ کسے خبر تھی کہ اتنے بلند عزائم رکھنے والا میرا یہ برخوردار جلد ہی شہادت فی سبیل اللہ کی خوناب قبا پہنے میو ہسپتال کے مردہ خانہ میں ایک اسٹریچر پہ خاموش پڑا ہوگا۔ اور یَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً کی نوید پر کیف سے حسب معمول ہونٹوں پر مسکراہٹ مچل رہی ہوگی۔ اور مجھے اس کو آخری بوسہ دینا ہوگا۔ اور پھر مجھے بھیگی آنکھوں، دھڑکتے دل، پھٹے جگر، کانپتے ہاتھوں اور لرزتے قلم سے اس جوانِ رعنا کے سوانحی خاکہ میں اپنے مشاہدات اور معلومات کا رنگ بھرنا پڑے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہائے اے موت تجھے موت ہی آئی ہوتی۔

کیا اسی لئے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے
بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

نین نقشہ!

سانولی رنگت، متوسط قدوقامت، گٹھی ہوئی جسامت، چوڑی چھاتی، شرم وحیا والی موٹی موٹی سیاہ آنکھیں، خوبصورت ناک، کشادہ جبیں پر سلفیت کا جھومر، چہرے پر ذہانت وشرافت کے درخشاں مخایل، معترض سے ناآشنا

پیاری پیاری مسنون ڈاڑھی ، ہونٹوں پر مسکراہٹ کا سماں ، خوش کردار ، خوش گفتار ، عقیدہ کے سلفی ، شخصیت کے وجیہہ ، بات کے دھنی ، قول کے پکے ، وعدہ کے سچے ، فکر اہلحدیث کے داعی اور ساعی ، اہلحدیث یوتھ فورس پاکستان کے صدر ، جمعیت اہلحدیث پاکستان کے بے خوف ، بے لوث اور خود دار نوجوان رہنما ، دارالحدیث چنیانوالی کے نامور سپوت علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ ، کے شیدائی اور میرے وفادار برخوردار ، یہ تھے جناب محمد خاں نجیبؒ جن کا انتقال پُر ملال شہداء اہلحدیث یعنی بین الاقوامی سکالر ، مشہور مصنف ، بیباک قومی لیڈر خطیب عالم اسلام اور غیور اہلحدیث عالم دین علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ ، خطیب اہلحدیث مولانا حبیب الرحمٰن یزدانیؒ اور محقق و مورخ اہلحدیث مولانا عبدالخالق قدوسی اور دوسرے چھ رفقاء کی معیت میں ۲۳ - اور ۲۴ مارچ ۱۹۸۷ء کی درمیانی شب کو بوقت ۱/۲ ۱۱ بجے قلعہ لچھمن سنگھ لاہور کے بم کے دھماکہ میں ہوا ۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون ۔ دھماکہ کیا ہوا ایک قیامت صغریٰ بپا ہوگئی اور چشم زدن میں چاروں طرف یا تو دھواں ہی دھواں تھا یا پھر خون ہی خون تھا ۔ ایک سو سے زائد افراد زخمی ہوگئے ۔ اور اہلحدیث قیادت خاک و خون میں تڑپ کر رہ گئی ۔ ؎

روش روش ، چمن چمن ، اِدھر لہو اُدھر لہو
میں کیا کہوں یہ حادثہ کہاں کہاں گزر گیا

ولادت اور خاندان محمد خاں بن میاں محمد شفیع بن عبدالرحمن بن بدرالدین گجر ۔ آبائی وطن مقبوضہ جموں و کشمیر ۔ تشکیل پاکستان کے وقت ۱۹۴۷ء میں یہ کھاتا پیتا خاندان ہجرت کر کے پاکستان چلا آیا اور شہر اقبال کے شمال میں بفاصلہ ۱۰ میل واقع موضع گرڈھی گوندل میں آباد چلا آرہا ہے ۔ محمد خاں نجیب شہید ۱۱ جون ۱۹۶۰ء میں اسی بستی میں پیدا ہوئے ، سلفی العقیدہ والد محترم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے قلبی لگاؤ اور بے پناہ محبت کی مناسبت سے اپنے اس بچے کا نام محمد رکھا ۔ اور پھر بعد ازاں محمد خاں نجیب کے نام سے لازوال شہرت پائی ۔ مکتبی اور مڈل تک کی تعلیم مقامی اسکول میں حاصل کی ۔ اور پھر مراکیوال گورنمنٹ ہائی اسکول سے امتیازی شان کے ساتھ میٹرک کی ڈگری حاصل کی ۔

دارالحدیث چنیانوالی میں آمد میٹرک پاس کر لینے کے بعد والد محترم نے اپنے اس ہونہار بیٹے کو دینی تعلیم دلانے کیلئے فیصل آباد کے جامعہ سلفیہ

میں داخل کرا دیا ۔ مگر وہاں کی آب و ہوا راس نہ آسکی ۔ لہٰذا کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد مرحوم شہید ۱۹۷۸ء کو لاہور چلا آیا اور راقم کے پاس دار الحدیث چینیانوالی میں داخل ہوگیا ۔ داخل کیا ہوا کہ پھر یہیں کا ہو کر رہ گیا ۔ کہ اپنی شرافت، ذکاوت اور سلیقہ مندی کی وجہ سے حضرت علامہؒ اور راقم کی آنکھوں کا تارا بن گیا ۔ اور ساری دینی تعلیم یہیں حاصل کی ۔ عربی ادب کی بعض کتابوں کے علاوہ جلالین ، شرح نخبۃ الفکر شرح عقیدہ طحاویہ ، ہدایہ آخرین ، سنن ابی داؤد اور صحیح البخاری وغیرہ بڑی بڑی کتب مجھ سے پڑھیں اور دوسری کتب دوسرے اساتذہ سے پڑھیں ۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم میں دلچسپی جاری رکھی ۔ لہٰذا ۱۹۷۹ء میں ایف ۔ اے پھر ۱۹۸۱ء میں بی ۔ اے کا امتحان پاس کرلیا ۔ اور ۱۹۸۲ء کو راقم سے صحیح البخاری پڑھ کر سند فراغت حاصل کی ۔

میدانِ سیاست قدرت کی طرف سے شہید مرحوم کو جہاں بہت سی صلاحیتیں ودیعت ہوئی تھیں وہاں زندگی بھی مختصر ملی تھی ۔ اور قسام ازل نے ان سے کچھ دینی کام بھی لینا تھا ۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ بڑی برق رفتاری کے ساتھ مگر انجام سے بے خبر اپنی منزل کیطرف بڑھے چلے جا رہے تھے ۔ چنانچہ اسی سال جب سند فراغت اور دستار فضیلت حاصل کر چکے تو علامہ شہید نے ان کی ذہانت و محنت اور قابلیت کے پیش نظر مدرسہ میں مدرس تعینات کر دیا ۔ تدریس کے ساتھ ساتھ وفاق المدارس سلفیہ کے سالانہ امتحان میں باضابطہ شرکت کرکے جب فسٹ ڈویژن میں ایم ۔ اے عربی کی ڈگری حاصل کرلی تو علامہ صاحب نے اس فاضل نوجوان کو اسلامی قانون کی اعلیٰ ڈگری دلانے کیلئے ملک کی بین الاقوامی یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ ۔ اسلام آباد میں داخلہ دلوا دیا ۔ دوران تعلیم ۱۹۸۲ء میں جمعیۃ طلبہ اہلحدیث پاکستان کے پہلے جائنٹ سیکرٹری اور بعد ازاں صدر چن لیے گئے ۔ پھر جب جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے تمام طلبہ تنظیموں پر قدغن عائد کرکے انہیں کالعدم قرار دیا تو علامہ شہید نے اپنے مخلص رفقاء کار کے ساتھ مل کر اہلحدیث یوتھ فورس کی طرح ڈالی ۔ اس فورس کے اراکین نے آپ کو صدر منتخب کرلیا ۔ اس نوزائیدہ تنظیم نے اپنی لیڈر شپ کی ذہانت ، سیاسی بصیرت کی تجرباتی راہنمائی کی وجہ سے اتنی سرعت کے ساتھ ترقی کی کہ دوسری پرانی تنظیمیں دیکھتی رہ گئیں ۔ اور ملک کے در و دیوار اس تنظیم کی للکار اور یلغار سے تھرانے لگ گئے ۔ غرضیکہ اس تعلیمی

مصروفیات کے باوجود اپنی زندگی کے نصب العین یعنی دعوت الی اللہ ورسولہٗ اور جماعتی سرگرمیوں میں سرمو کمی نہیں آنے دی۔ رات کو اپنے محبوب قائد علامہ شہید کے دوش بدوش جماعتی اور قومی جلسوں سے خطاب کرتے اور دن کو اپنی کلاس میں بیٹھے ہوتے۔ اسی طرح جب علامہ صاحب دعوت و تبلیغ وغیرہ کیلئے بیرون ملک تشریف لے جاتے تو اپنا منبر اُن کو دے جاتے۔ اسیطرح میں جب ۱۹۸۳ء میں حج کے لیے سعودی عرب گیا تو مسلسل تین ماہ جامع مسجد لسوڑے والی میں میری جگہ خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

اسلام آباد میں تعمیر مساجد اہلحدیث مسلک اہلحدیث کی نشر و ترویج کے شوق فراواں اور دلولہ کا تو یہ عالم تھا کہ اسلام آباد کی مختصر اقامت میں متعدد اہلحدیث مساجد کی نہ صرف بنیاد رکھی بلکہ تحریک اہلحدیث کی احیاء دین کے سلسلہ میں تجدیدی مساعی اصلاحی خدمات اور ملی اور سیاسی کارناموں کو مزید چار چاند لگانے اور انکو زندہ جاوید بنانے کیلئے ان مساجد کو امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ المتوفی ۲۵۶ھ، صاحب سیف و قلم شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ المتوفی ۷۲۸ھ اور قائد حریت مجاہد ملت شاہ اسماعیل شہیدؒ دہلوی المتوفی ۶ مئی ۱۸۳۱ء / ۱۲۴۶ھ جیسے اعاظم رجال تحدیث اور عبقری علماء امت کے ناموں کے ساتھ ان مساجد کو موسوم کیا۔ اور وہ مساجد یہ ہیں۔ (۱) مسجد امام بخاریؒ یہ وہ مسجد ہے جو مرحوم شہید نے اسلام آباد میں اپنے قیام کے پہلے سال ۱۹۸۳ء سیکٹر ۴/۸/G میں خود تعمیر کی تھی اور اس کا سنگ بنیاد بھی خود اپنے ہاتھ سے رکھا تھا۔ اور دسمبر کی سردی میں کھلے آسمان کے سایہ میں راتوں کو پہرہ دیا کرتے۔ جب اسکی کچی پکی چھت مکمل ہو چکی تو پہلا خطبہ جمعہ بھی خود ہی دیا تھا۔

(۲) مسجد شاہ اسمٰعیل شہیدؒ:- ۱۹۸۴ء میں سیکٹر ۴/۹/G میں اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور دسمبر ۱۹۸۴ء میں اقامت جمعہ کا آغاز بھی اپنے خطبہ سے کیا۔

(۳) مسجد امام ابن تیمیہؒ:- یہ وہ مسجد ہے جسے مرحوم شہید نے سیکٹر ۲/۱۰/G میں تعمیر کی تھی۔ ان تینوں مساجد کے علاوہ دو ایک اور مسجدوں کا بھی سنا ہے تاہم ان کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ موصوف نے نہ صرف ان مساجد کی بنیادیں رکھیں بلکہ ان میں جمعہ و جماعت کی اقامت کیلئے ائمہ اور خطباء کا انتظام بھی کیا۔ جیسا کہ اسلام آباد کے در و دیوار آج بھی اسکے شاہد عدل ہیں۔ لہٰذا جہاں یہ مسجدیں توحید و سنت

کے مواعظ حسنہ کی للکار سے قیامت تک گونجتی رہیں گی وہاں ہمارا نجیب بھی نہ صرف زندہ رہے گا بلکہ اس کے درجات وحسنات میں اضافہ بھی ہوتا رہے گا۔
وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون ۔ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

مرحوم شہید ابھی کنوارے ہی تھے حضرت حافظ عبدالغفور جہلمی مرحوم المتوفی ۱۹۸۶ء کی وساطت سے جہلم شہر میں گجر برادری کے ایک کھاتے پیتے اور سلفی العقیدہ گھرانے کی ایک اعلیٰ تعلیمیافتہ دوشیزہ سے نسبت ہو چکی تھی۔ عالم اسلام کی ایک قد آور شخصیت کی آمد پر بعض مخلصین نے نکاح کر دینے کا مشورہ دیا۔ تو نجیب شہید نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میرے نکاح کی اس فوری تقریب میں میرے الشیخ (راقم) شریک نہ ہو سکیں گے۔ اب کہ شادی کی تاریخ طے پانے ہی والی تھی کہ اپنے بوڑھے والدین حفظہما اللہ اور بہن بھائیوں کی ساری امنگوں اور اپنی منگیتر کی تمام آرزوؤں کو ادھورا چھوڑ کر ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کو قوم سے آخری ولولہ انگیز اور یادگار خطاب کر کے اللہ کی راہ میں شہید ہو کر اپنے سر پر حیات سرمدی کا خوناب سہرا سجا کر داصل بحق ہو گیا۔ کان ماشاء اللہ ومالم یشاء لم یکن ۔ ؎

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

میرے مثالی شاگرد

یوں تو بحمداللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ میرے تلامذہ کا سلسلہ سینکڑوں سے متجاوز ہے جن میں بعض نامور مدرس، خطیب اور ماسٹر ہیں اور بعض فوج میں تبلیغ کا فریضہ سر انجام دے رہے ہیں وَھُلُمَّ جَرًّا لِھِمْ زِدْ فَزِدْ مگر چار ایسے مثالی شاگرد بھی ہیں۔ بقول خلیفہ مامون الرشید پرانے زمانہ کے سلفی طلبہ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے گھومنے لگ جاتا ہے۔ دو بنگالی ہیں ایک مولوی سراج الدین اور دوسرے مولوی فضل الرحمٰن۔ ان دونوں نے ۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۰ء میں اپنے دوسرے تین ساتھیوں کے ہمراہ مجھ سے مکمل صحاح ستہ پڑھی۔ دارالحدیث چینیانوالی میں اب کی طرح ناشتہ اور کھانے کا انتظام نہ تھا۔ صرف تیس روپے ماہانہ وظیفہ ہوتا تھا۔ اور لاہور میں یہ قلیل سا وظیفہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ بیچارے بنگالی دام گلی سے کھانا لا کر گزر بسر کرتے

تھے۔ اور کھانا لانے کیلئے کافی وقت صرف ہوتا تھا۔ مولوی سراجدین بغیر کسی ناشتہ کے سارا دن مجھ سے اسباق پڑھتے۔ کھانا لانے کیلئے نہ جاتے۔ اگر ساتھی کھانا لے آتا تو عصر کے بعد کھالیتے ورنہ دونوں وقتوں کا کھانا رات کو کھاتے۔ میں جب کہتا کہ آپ کھانا لاکر کیوں نہیں کھاتے تو وہ جواب میں کہتے کہ مولوی صاحب میں بنگال سے پڑھنے کیلئے آیا ہوں۔ کھانا لینے کیلئے جاؤنگا تو میرا سبق رہ جائے گا۔ اور یوں انہوں نے دو سال برابر اسیطرح مجھ سے رہ کر پڑھا۔ اس مولوی صاحب کی دوسری خوبی کہ جس میں میرے جیسے کاہل مدرسین اور اکثر و بیشتر طلبہ عام طور پر محروم دیکھے گئے ہیں۔ یہ تھی ہر نماز کی اذان سے پانچ سات منٹ پہلے مسواک لیکر وضو کیلئے ٹونٹیوں پر آجاتے۔ وضو کرتے اتنے میں اگر کوئی دوسرا اذان پڑھ دیتا تو فبہا ورنہ اذان بھی خود پڑھتے مولوی فضل الرحمٰن صاحب تقوی، راست گوئی اور دوسری اعلیٰ اقدار کے مالک تھے اتنے شریف النفس تھے کہ میں نے دو سال کے عرصہ میں ان کی کوئی بات ایسی نہیں دیکھی جو تقویٰ کے منافی ہو۔ اکل حلال میں تو وہ اپنی مثال آپ تھے۔ حالانکہ بہت غریب اور نادار طالبعلم تھے ایک دفعہ ملک محمد حسین مرحوم صدقہ کے چمڑے کے بیس پچیس روپے مدرسہ میں جمع کرانے کیلئے لائے میرے مشورہ پر انہوں نے یہ بنگالی طلبہ میں تقسیم کر دیئے۔ تیسرے دن جب مولوی فضل الرحمٰن بنگالی کو پتہ چلا تو میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ مولانا صاحب یہ پیسے واپس لیجیے کہ میرے لیے حرام ہیں۔ یہ کہہ کر پیسے واپس کر دیئے۔ اللہ اللہ۔ یہ تھے مولوی فضل الرحمٰن بنگالی۔

(۴) مولوی محمود قاسم شہید بن حکیم جان محمد آف بصرہ کالونی مرید کے منڈی۔ اس نے بھی نجیب شہید کے ساتھ بخاری پڑھی تھی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ صاحب فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بڑے مستعد اور بیباک تھے۔ بڑی اچھی تقریر کر لیتے تھے اگر شہید نہ ہوتے تو یقیناً آج میدان خطابت میں نمایاں ہوتے۔ فہمیدگی اور سنجیدگی کا تو یہ عالم تھا کہ تین سال میرے پاس رہے مگر اس طویل عرصہ میں نہ صرف مجھے شکایت کا موقعہ نہیں دیا بلکہ میرے سامنے کبھی آنکھ اٹھائی اور نہ قہقہہ لگایا۔ اگر کوئی سوال پوچھنا ہوتا یا کبھی کوئی بات کرنا ہوتی تو بڑی دھیمی آواز میں حضرت جی کہہ کہہ بات کرتا۔ نجیب شہید اور اپنے دوسرے آٹھ طلبہ کے ساتھ بخاری شریف پڑھ چکا تھا۔ تقریب بخاری میں بھی شریک ہوا۔ امتحان کے بعد سند فراغت اور دستار فضیلت حاصل کرنے ہی والا تھا کہ اس کے بدمعاش اور لوفر چچیرے بھائیوں نے ۱۹۸۲ء کے شعبان میں

باقی صفحہ ۳۱۱ پر